سوا سیر گیہوں
پریم چند
تالیف
منوّ بھنڈاری

نوخواندوں کے لیے کتابوں کا سلسلہ

سوا سیر گیہوں

تصنیف
پریم چند
تالیف
منّو بھنڈاری
مترجم
بہار الہ آبادی
مصوّر
جگدیش جوشی

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

شنکر ایک غریب کسان تھا۔ سیدھا سادا، محنتی اور ایمان دار، دغا فریب سے بہت دور۔ خدا کا ماننے والا تھا۔ زندگی میں کبھی ایک پیسے تک کی بے ایمانی نہیں کی۔ اسے یہی ڈر لگا رہتا کہ اگر بے ایمانی کی تو خدا کو کیا جواب دے گا؟

ایک دن ایک سادھو مہاراج شنکر کے گھر آئے۔ انھیں دیکھ کر شنکر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی قسمت پر بڑا ناز کیا اور سوچا کہ اس کی قسمت جاگ گئی۔ اسے لگا کہ سادھو نہیں جیسے بھگوان ہی اس کے گھر آگئے ہیں۔ جھاڑ پونچھ کر اپنی جھگّی صاف کی۔ پیڑھی رکھّی پھر سادھو کو اس پر بٹھایا اور خود ان کے قدموں میں بیٹھا۔

دیکھنے میں تو شنکر کا دل خوش ہو رہا تھا لیکن اندر ہی اندر اس کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ سادھو مہاراج کو کیا کھلائے گا؟ غریبوں کا کھانا تو جَو ہے لیکن جو کی روٹی بھگوان کیسے کھائیں گے؟ اگر جَو بھگوان کو کھلائے گا تو گناہ ہوگا۔ اور اگر بھوکا رکھّا تو اور بڑا گناہ ہوگا۔ اب کرے تو کیا کرے؟ گیہوں کہاں سے لائے؟ غریب شنکر کی رسائی امیروں تک نہیں تھی۔ غریبوں کے یہاں گیہوں نہیں ہوتا۔ انھیں تو بھر پیٹ جَو ہی مل جائے تو خوش قسمتی سمجھو۔

سوچتے سوچتے اسے پنڈت جی کی یاد آئی۔ اس نے لڑکے کو بھیج کر سوا سیر گیہوں منگوایا۔ عورت نے اس گیہوں کو جلدی سے پیسا اور روٹی تیّار کی۔ سادھو نے سیر ہو کر کھانا

کھایا۔ شنکر کو دعائیں دیں اور چلے گئے۔ شنکر تو جیسے گنگا نہایا۔

پنڈت جی سال میں دو مرتبہ شنکر سے فصل کا کام لیتے تھے اور اس کام کی اجرت نہیں دیتے تھے اور جب شنکر کی قسمت کے بارے میں کچھ بتاتے تو پوری رقم لے لیتے لیکن شنکر خوشی خوشی کھلیان میں کام کرتا۔ وہ سوچتا کہ پوجا پاٹ کرنے والے پنڈت جی کی خدمت کرنا تو ایمان کا کام ہے۔

چیت کے مہینے میں گیہوں کی فصل کٹی۔ شنکر کو سوا سیر گیہوں واپس کرنے میں شرم آئی۔ اس نے سوچا اتنے بڑے پنڈت جی کو اتنا سا گیہوں کیسے لوٹائے؟ لیکن ادھار تو واپس کرنا ہی تھا۔ اگر ادھار نہیں لوٹائے گا گنہگار ہوگا۔ سو اس نے پنسیری کی جگہ ڈیڑھ پنسیری دے دی اور سوچا کہ سود بھی دیدیا۔ لیکن پنڈت جی سے اس نے قرض ادا کرنے کی بات بھی نہیں کی۔ اس نے سوچا کہ پنڈت جی عقل مند ہیں، سمجھ ہی لیں گے۔

سیدھے سادے شنکر نے اپنی طرف سے قرض ادا کر دیا تھا لیکن بے ایمان پنڈت کے دل میں فریب تھا اسی لیے انھوں نے بھی سوا سیر گیہوں کا نام نہیں لیا اور سات سال تک وہ خاموش رہے۔ وہ تو سوا سیر گیہوں کی جگہ شنکر کو جال میں پھانسنا چاہتے تھے۔

سات سال گزر گئے اور اس عرصہ میں پنڈت جی مہاجن بن گئے۔ وہ غریبوں کو ادھار دیتے اور سب سے اچھا سود وصول کرتے پہلے وہ پوتھی پتری لے کر چلتے تھے، اب وہ بہی کھاتا لے کر چلنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے ایک حویلی بنوالی۔

دوسری طرف بے چارہ شنکر کسان سے مزدور بن گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی منگل لڑ جھگڑ کر الگ ہوگیا۔ جب مل کر رہتے تھے تو سب کا کھانا پینا ٹھیک تھا۔ الگ ہونے پر فاقے پڑنے لگے۔ پہلے پانچ بیگھے زمین تھی اب ڈھائی بیگھے زمین رہ گئی۔ پہلے ایک جوڑی بیل تھے۔ اب صرف ایک بیل رہ گیا۔ ایسے میں کھیتی کیسے ہوگی؟ بس نام کے لیے کھیتی تھی۔ پیٹ بھرنے کے لیے مزدوری کرنی پڑتی۔

ایک دن مزدوری کرکے شنکر لوٹ رہا تھا۔ راستے میں پنڈت جی مل گئے۔ بولے:
شنکر کل آکر اپنا حساب کرلے۔ میرا جو نکلتا ہے مجھے دیدے۔

شنکر تو حیران رہ گیا۔ بولا: مہاراج! میرے پاس تو آپ کا نہ ایک چھٹانک اناج ہے۔ نہ ایک پیسہ ادھار ہے۔ میرا حساب کتاب کیسا؟

پنڈت جی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ڈپٹ کر بولے — واہ! واہ! تیرے حساب میں ایک چھٹانک اناج بھی نہیں نکلتا؟ جانتا ہے پورے ساڑھے پانچ من گیہوں نکلتا ہے۔ ہضم کرنے کا ارادہ ہے کیا؟

شنکر ہاتھ جوڑ کر بولا — مہاراج آپ کا پیسہ کیسے ہضم کروں گا؟ کیا مجھے بھگوان کو منہ نہیں دکھانا ہے؟ لیکن مہاراج گیہوں نکلتا کیسے ہے؟

پنڈت جی بولے — سات سال پہلے تیرا لڑکا سوا سیر گیہوں نہیں لے گیا تھا؟ میں کوئی جھوٹ بول رہا ہوں؟

شنکر یہ سن کر حیران رہ گیا۔ بولا — ہاں مہاراج! لے تو گیا تھا لیکن میں نے تو کھلیانی پنسیری کی جگہ ڈیڑھ پنسیری دی تھی۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ آپ کا اصل بھی دے دیا اور سود بھی ادا کر دیا۔

چالاک پنڈت جی اس کو سمجھاتے ہوئے بولے۔ دیکھ بھائی حساب جَو جَو بخشش سَو سَو۔ تم نے کھلیانی (وہ اجرت جو کسی کی جگہ پر فصل صاف کرنے کی ہوتی ہے) دی تو اپنی خوشی سے دی تھی۔ میں مانگنے تو آیا نہیں تھا۔

بیچارہ شنکر اب کیا کہتا؟ لیکن اس نے پوچھا کہ آپ کا دیا تو قرض ہوا اور میرا دیا بخشش ہوئی یہ کیسا فیصلہ ہے مہاراج؟

جواب پنڈت جی کے پاس موجود تھا۔ فوراً بولے — میں تو انصاف ہی کی بات کہہ رہا ہوں۔

جو مانگ کرلے وہ قرض ہوتا ہے. جو خوشی سے دے وہ بخشش ہوتی ہے۔

غریب شنکر چپ ہو گیا۔ پنڈت جی کی بات کیسے کاٹتا؟ بس اس نے اتنا ہی پوچھا ـــــ میں نے تو آپ سے سوا سیر گیہوں لیا تھا۔ آپ مجھ سے ساڑھے پانچ من گیہوں مانگ رہے ہیں. یہ کیسا حساب ہے مہاراج؟

پنڈت جی کے پاس حساب بھی تیار تھا۔ بولے ـــــ سات سال کا سود کون دے گا؟ جس سے چاہے حساب کرالو. ذرا بھی کم نکلے تو سارا معاف کر دوں گا۔ میں تو دھرم کرم کا آدمی ہوں. غریب کسان سے بے ایمانی کروں گا کیا؟

شنکر نے سوچا کہ وہ بری طرح پھنس گیا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا ـــــ مہاراج آپ نے اسی وقت مانگا ہوتا۔ اس وقت تو میری کھیتی تھی۔ کبھی بھی نکال کر دے دیتا۔

پنڈت جی بھلا اپنے اوپر الزام کیسے لیتے؟ ڈانٹتے ہوئے بولے ـــــ یہ تو نیکی کر کے نقصان اٹھانے والی بات ہوئی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ غریب کو کیا پریشان کروں؟ جب گنجائش ہوگی تو خود دے جائے گا۔ لیکن تو نے تو دینے کا نام ہی نہیں لیا۔ تیری نیت ہی دینے کی نہ تھی۔ جب نیت ہی ایسی ہے تبھی تو کھانے کے لالے پڑے ہیں۔

شنکر نے کبھی کسی کے ساتھ دھوکے بازی نہیں کی تھی. کبھی کسی کی ایک پائی بھی نہیں دبائی۔ نیت کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے. ہاتھ جوڑ کر بولا ـــــ آپ سے کیا چھپا ہے مہاراج؟ ایک وقت کھا کر کسی طرح گزر کرتا ہوں. میں اتنا گیہوں کہاں سے لاؤں گا؟

بے ایمان پنڈت جی نے شنکر کی کمزوری محسوس کر لی۔ ڈپٹ کر بولے ـــــ تو جو چاہے کر. جہاں سے چاہے لا کر دے۔ یہاں نہ دے گا تو بھگوان کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دوں گا ـــــ مجھے تو دھوکا دے لے بھگوان کو کیسے دھوکا دے گا؟ میں تو بہی کھاتہ لے جا کر بھگوان کے سامنے رکھ دوں گا. بہی میں تیرا نام دیکھ کر تجھے نرک (دوزخ) میں ڈال دیں گے۔ نرک میں جلے گا تو تجھے بے ایمانی کرنے کا پتہ چلے گا۔

شنکر کانپ اٹھا۔ بے ایمان بن کر بھگوان کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا؟ پنڈت جی کی بہی میں نام رہ گیا تو بھگوان نرک میں بھی جگہ نہیں دے گا۔

شنکر گڑگڑاکر بولا ــــ نہیں مہاراج میں آپ کا ایک ایک دانہ چکاؤں گا۔ پچھلے جنم کا گناہ تو بھگت ہی رہا ہوں۔ اگلے جنم کے لیے کانٹے نہیں بوؤں گا۔

پنڈت جی دل ہی دل میں ہنسے۔ بولے ــــ جا بوریاں اٹھا لا۔ اِدھر تیری بوریاں پہنچیں اُدھر میں نے بہی سے تیرا نام کاٹا۔ پھر نہ کسی کا لینا نہ کسی کا دینا۔ تیرا میرا حساب برابر ہو جائے گا۔ پھر بھگوان کے سامنے سر اونچا کر کے جانا ــــ بھگوان تجھے سیدھے سورگ (جنت) میں بھیجیں گے۔

شنکر بولا ــــ بوریاں ہوتی تو رونا ہی کس بات کا تھا مہاراج۔ دو وقت کے کھانے کے لیے بھی اناج میسّر نہیں ہوتا۔ ایک وقت تو صرف چبینے پر ہی گزر کرتے ہیں۔

یہ سنتے ہی پنڈت جی بگڑ گئے۔ ڈانٹ کر بولے ــــ ارے! ابھی تو نے وعدہ کیا اور ابھی ہی مُکر گیا۔ اپنے ان کھوٹے کرموں سے ہی دانے دانے کو ترستا ہے۔ تجھے بوریاں نہیں دینی ہیں تو اب بھگوان ہی کے سامنے حساب ہوگا۔

شنکر نے پنڈت جی کے پیر پکڑ لیے۔ کانپتے ہوئے بولا ــــ میں بات سے نہیں مکر رہا مہاراج۔ بس تھوڑا وقت مجھے اور دیدو۔ اب میں رات میں بھی مزدوری کروں گا۔ اپنا پیٹ نہیں بھروں گا، بس آپ کا گودام بھروں گا۔ میں یہاں کا حساب یہیں ختم کروں گا۔

پنڈت جی نے کہا ــــ سات برس کی مہلت کم نہیں ہوتی۔ اب تو میں ایک دن کی مہلت بھی نہیں دوں گا۔ تیرے پاس گیہوں نہیں ہے تو کاغذ لکھ دے۔

شنکر بیچارہ کیا کرتا بولا ــــ مہاراج مجھے تو آپ کا قرض چکانا ہے۔ آپ چاہے گیہوں لو چاہے کاغذ لکھواؤ۔ جو حکم آپ کروگے میں وہی کروں گا۔

یہی تو پنڈت جی چاہتے تھے۔ سنتے ہی خوش ہو گئے ــــ بولے ــــ بازار بھاؤ تو پانچ سیر کا ہے لیکن

میں تیرا کاغذ سوا پانچ سیر کے حساب سے کاٹ دوں گا۔ میرا دل نرم ہے۔ مجھ سے غریبوں کا دکھ نہیں دیکھا جاتا۔
شنکر نے کہا —— مہاراج! جب دینا ہی ہے تو میں بھی بازار بھاؤ سے ہی دوں گا۔
ایک پاؤ کم دینے کا گناہ بھی کیوں کروں؟
اب پھر سے حساب کیا گیا۔ گیہوں کی قیمت ساٹھ روپے ہوئی۔ تین روپے سیکڑا کے حساب
سے سود لگایا گیا۔ ایک سال میں روپیہ نہ دیا تو سود ساڑھے تین روپے کے حساب سے لگے گا۔
کاغذ لکھائی کا ایک روپیہ اور ٹکٹ کا پیسہ بھی شنکر کے ذمّہ ہوگا۔

اس طرح پوری طرح لٹ کر شنکر بیچارہ گھر آیا۔ بے ایمان اور چالاک پنڈت نے شنکر کو پوری طرح
اپنے جال میں پھانس لیا۔ شنکر تو سیدھا سادا تھا، وہ پنڈت جی کی چالاکی کو سمجھ ہی نہیں سکا۔
شنکر کو بس یہی لگن لگ گئی کہ کسی طرح سے بھی پنڈت کی بہی سے اپنا نام کٹوالے۔
اس جنم کا قرض اسی جنم میں ادا کرنا ہے۔ شنکر بیچارہ یہ بھول ہی گیا کہ اس نے کسان کی شکل
میں جنم لیا ہے۔ کسان کو قرض سے چھٹکارہ کہاں ملے گا؟ نہ اس جنم میں ملے گا نہ اُس جنم میں ملے گا۔
قرض اتارنے کے لیے تو شنکر نے کمر کس لی۔ سارا خاندان مزدوری میں جٹ گیا پہلے صرف
دن میں مزدوری کرتے تھے اب رات میں بھی کرنے لگے۔ پہلے ایک بار کھانا کھاتے تھے اب
وہ بھی چھوڑ دیا۔ چبینے پر صبح شام گزارنے لگے۔ البتہ دو روٹیاں بیٹے کے لیے بنا دیتے
تھے۔

شنکر نے کبھی عیش نہیں کیا تھا۔ کبھی گانجہ شراب نہیں پیا تھا۔ بس ایک پیسہ کی
تمباکو پیتا تھا۔ اس کو چاہے اس کی عادت کہو چاہے اس کا شوق کہو لیکن اب اس نے
وہ بھی چھوڑ دی۔ اپنی چلم توڑ دی۔ تمباکو رکھنے کی ہانڈی بھی توڑ دی۔
پہلے بھی شنکر برائے نام ہی کپڑے پہنتا تھا۔ اب صرف ایک لنگوٹی ہی میں رہنے لگا۔

سخت سردی کے دنوں میں بھی اس کے بدن پر ایک لنگوٹی ہی ہوتی. جب بدن سردی کی وجہ سے برف کی طرح ہو جاتا تو تھوڑی دیر کے لیے آگ کے پاس بیٹھ جاتا پھر اپنے کام میں جٹ جاتا.

شنکر کی محنت دیکھ کر گاؤں کے لوگ حیران ہوتے. عورت روتی — رو رو کر کہتی کہ قرض ادا کر رہے ہو یا جان دے رہے ہو؟ دوسرے بڑے بوڑھے بھی سمجھاتے کہ کیوں جان دینے پر تلا ہے؟ دھیرے دھیرے قرض ادا کر دینا۔ پنڈت جی تیرا کیا کر لیں گے؟ لیکن شنکر نے کسی کی نہیں سنی، کسی کی بات نہیں مانی وہ تو بھوت کی طرح کام کرنے میں لگا رہا۔

اس طرح کچھ مہینے گزر گئے۔ شنکر کے جسم کا گوشت بالکل سوکھ گیا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا۔ لیکن اس نے ساٹھ روپے جمع کر لیے۔ اس کے سر سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔ اس نے سوچا پنڈت جی کو اصل تو دے آؤں۔ اب ان سے التجا کروں گا کہ بہی میں سے میرا نام کاٹ دو۔ سود کے پندرہ روپے بھی جلدی ہی دے دوں گا۔ اتنی بات تو پنڈت جی مان ہی لیں گے۔

شنکر روپے لے کر خوشی خوشی پنڈت جی کے پاس پہنچا۔ روپیوں کی پوٹلی ان کے قدموں میں رکھ کر بولا — مہاراج۔ یہ اپنے روپے لو۔ اب مہربانی کر کے اپنی بہی میں سے میرا نام کاٹ دو۔ مجھے بہی میں لکھا ہوا نام سینہ پر کھدا ہوا سا لگتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے گرم سلاخ سے یہ نام میرے سینہ پر داغ دیا ہے۔ اب میں چین کی سانس لوں گا۔

پنڈت جی کو یقین ہی نہیں ہوا۔ وہ سوچنے لگے کہ دو پیسے کے چار پیسے کرنے کی ترکیب تو ہم جانتے ہیں. نادان کسان کو تو دو پیسے کا ایک پیسا کرنا ہی آتا ہے. شنکر اتنے روپے کہاں سے لایا. لیکن بھروسہ نہ کریں تو کیسے نہ کریں؟ روپے کی پوٹلی تو اُن کے سامنے پڑی تھی. پنڈت جی کی نیت ٹھیک ہوتی تو روپیہ دیکھ کر خوش ہو جاتے۔ لیکن ان کی تو نیت

ہی میں کھوٹ تھا۔ انھوں نے شنکر کو پھانسنے کے لیے جو جال بچھایا تھا وہ ناکام ہوتا نظر آیا۔

بے دلی سے پنڈت جی نے پوچھا — کسی سے ادھار لے کر آیا ہے کیا؟

شنکر نے کہا — نہیں مہاراج۔ آپ کی دعا سے بھرپور مزدوری ملی — میں نے خوب محنت کی۔

بڑی اداسی سے پنڈت جی نے تھیلی اٹھائی۔ انھوں نے روپے گنے۔ کل ساٹھ روپے تھے۔ پنڈت جی کے چہرے پر دوبارہ چمک آگئی۔ وہ ڈپٹ کر بولے — یہ تو صرف ساٹھ ہی روپے ہیں۔ سود کے روپے کون دے گا؟ تو نام کاٹنے کی بات تو ایسے کر رہا ہے جیسے اصل اور سود سب لایا ہو۔

شنکر بولا — مہاراج اب تو بھروسہ رکھو۔ دو تین مہینے میں آپ کا سود بھی ادا کردوں گا۔ بس آپ نام کاٹ کر مجھے آزاد کردو۔

پنڈت جی نے کہا — آزاد تو اسی وقت ہوگا جب ایک ایک پائی ادا کردے گا۔ بہی میں نام رہتے ہوئے بھی پیسہ نہیں چکا رہا۔ اگر بہی سے نام کٹ گیا تو پھر تو کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔ میں تم لوگوں پر بھروسہ کرنے والا بیوقوف نہیں ہوں۔

اس بار شنکر کو بھی غصہ آگیا۔ وہ بولا — مہاراج۔ جو محنت آدمی کے بس کی نہیں ہوتی وہ محنت میں نے کی۔ آپ نے جو حساب لگایا اسے میں نے قبول کر لیا۔ وہ بھی صرف سوا سیر گیہوں کے بدلے میں۔ آپ کا ہر ظلم میں نے برداشت کر لیا۔ پھر آپ کو میرا بھروسہ کیوں نہیں ہوتا؟

شنکر کی بات سنتے ہی پنڈت جی بگڑ پڑے۔ آنکھیں سرخ کرکے بولے — میں اپنا دیا مانگ رہا ہوں۔ ظلم کس بات کا؟ قرض ادا کرنے کو جو ظلم کہے، اس کا اعتبار کون کرے گا؟ تو میرا سارا روپیہ لے آ۔ میں بہی میں سے تیرا نام کاٹ دیتا ہوں۔ میں تم جیسے لوگوں سے بیکار کی بحث کرنی نہیں چاہتا۔

लाभ
शुभ
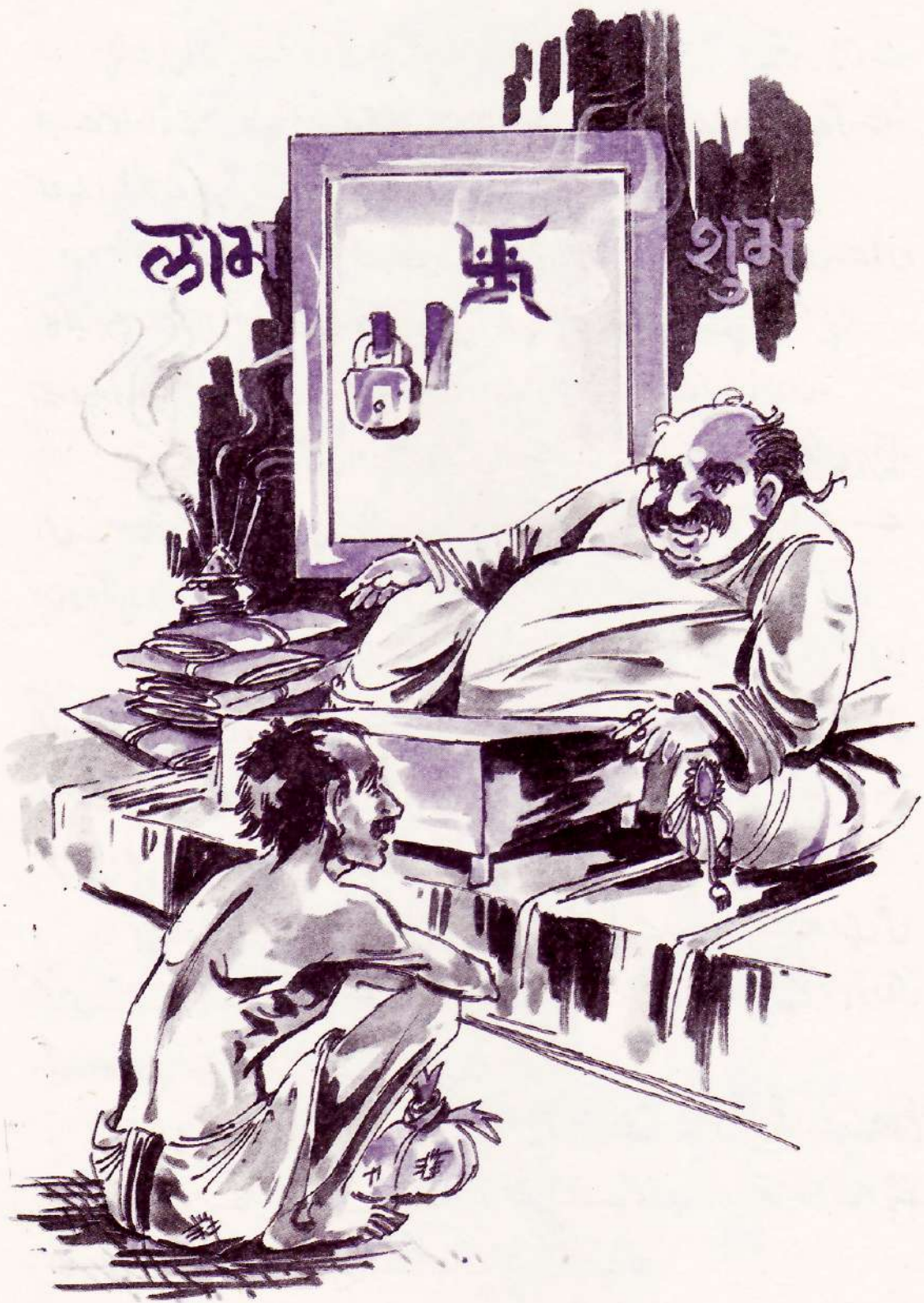
پنڈت جی اٹھ کر اندر جانے لگے۔ جاتے جاتے غصّہ سے بولے — اور ہاں۔ تو کان کھول کر سن لے۔ اب سے سود ساڑھے تین روپے سیکڑہ لگے گا۔ پھر روپیوں کی پوٹلی کی طرف دیکھ کر بولے — اگر چاہے تو یہ ساٹھ روپے اپنے گھر لے جا۔ اگر چاہے تو یہیں چھوڑ جا۔ تیری امانت میرے پاس رکھی رہے گی۔

شنکر نے سوچا غریب آدمی روپیہ دیکھ کر لالچ میں آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ مہینوں سے اس کا کنبہ بھوکا ہے اگر ان کی نیت بدل گئی تو یہ روپیہ بھی خرچ ہو جائے گا۔ اس لیے ہاتھ جوڑ کر بولا — یہ روپے تو آپ یہیں رکھیے مہاراج۔ سود کے پندرہ روپے میں کہیں سے مانگ کر لاتا ہوں۔

پنڈت جی نے تھیلی اٹھالی اور خوشی خوشی اندر چلے گئے۔ بیچارہ شنکر اداس ہو کر باہر آیا۔ اس نے سوچا کہ پندرہ روپے کسی سے قرض لے لے گا اور پنڈت جی کو روپے دے کر ان کی بہی سے اپنا نام کٹوالے گا۔ تھوڑے دن اور مزدوری کر کے قرض بھی چکا دے گا۔

شنکر نے گاؤں کے سبھی لوگوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر قرض مانگا۔ خوشامد کی۔ گڑگڑایا لیکن اسے کسی نے پندرہ پیسے بھی نہیں دیئے۔ لوگوں کو اس پر بھروسا تو تھا لیکن پنڈت جی کا غصّہ کون برداشت کرے گا؟ سب جانتے تھے کہ اگر اس کی مدد کی تو پنڈت جی جینا حرام کر دیں گے۔ اس لیے سب نے خاموشی اختیار کر لی۔

ہر طرف سے ناامید ہو کر شنکر اپنی جھونپڑی میں آیا۔ اسے ایک ہی بات چبھ رہی تھی کہ اس نے اتنے دن تک جو محنت کی وہ سب بیکار گئی۔ پنڈت جی کی بہی میں اس کا نام تو رہ ہی گیا۔ وہ پنڈت جی کے قرض سے آزاد نہیں ہو سکا۔

شنکر منہ ڈھانپ کر جھونپڑی میں پڑ گیا۔ اس دن وہ مزدوری کرنے بھی نہیں گیا۔ اس کے دماغ و دل میں اب دوسرے خیال آنے لگے۔ کل تک تو اسے قرض اتارنے کا بھوت سوار تھا۔ آج وہ سوچنے لگا کہ جو قرض کبھی اترے ہی نہیں اسے اب وہ نہیں اتارے گا۔

شنکر کو اپنے بیٹے اور بیوی کا خیال آیا۔ عورت بیچاری تو اتنے دنوں میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ بیٹا ہنسنا بھول گیا تھا۔ بھگوان اسے نرک (دوزخ) میں ہی تو ڈالیں گے۔ ڈال دیں۔ ایک سال سے جو کچھ وہ سہہ رہا ہے، وہ دوزخ سے کم ہے کیا؟

پنڈت جی کی چالاکی نے سیدھے سادے شنکر کو ڈھیٹ بنا دیا۔ اب وہ مزدوری کرتا اور سیر ہو کر کھانا کھاتا۔ بیوی اور بیٹے کو بھی خوب کھلاتا۔ پہلے تمباکو پینا تک چھوڑ دیا اب گانجہ چرس بھی پینے لگا۔

پیٹ بھر کھانا ملنے کے بعد بیٹے کے چہرے کی ہنسی لوٹ آئی۔ بیوی اور اس کے بدن پر گوشت چڑھنے لگا۔ اب جب کبھی زیادہ مزدوری ملتی تو وہ سب کے لیے کپڑے لے آتا۔ کبھی بیوی کے لیے چوڑی، بندیا لاتا کبھی بیٹے کے لیے کھلونے لاتا۔ قرض کے بارے میں اب اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اس طرح تین سال گزر گئے۔ پنڈت جی نے بھی پھر کبھی روپے کا نام نہیں لیا۔ وہ تو صرف اپنی بہی میں شنکر کے نام پر سود پر سود چڑھاتے گئے۔ جب رقم زیادہ ہو گئی تو ایک دن شنکر کو بلوایا۔ شنکر آکر کھڑا ہو گیا۔

پنڈت جی نے کہا —— شنکر تو تو روپے دینے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جانتا ہے تیرے ذمّہ کتنے روپے ہو گئے ہیں؟

اب تو شنکر بے شرم بن ہی گیا تھا۔ اس لاپرواہی سے جواب دیا —— میں کیا جانوں مہاراج! آپ ہی تو چڑھانے والے ہیں۔ اس لیے آپ ہی کو معلوم ہو گا۔

پنڈت جی نے بہی کھول کر بتایا —— ساٹھ روپے تیرے نکال بھی دیں تو بھی ایک سو بیس روپے ہو گئے ہیں۔

شنکر اسی شوخی سے بولا —— ضرور ہوئے ہوں گے مہاراج۔ پہلے سوا سیر گیہوں کے ساٹھ روپے ہوئے تھے اب پندرہ روپئے کے ایک سو بیس تو ضرور ہوئے ہوں گے۔

پنڈت جی نے کہا ـــــ اگر تم مانتے ہو کہ اتنے روپے ہوئے تو میرا روپیہ ادا کردو۔ اب میں اور انتظار نہیں کروں گا۔

اس مرتبہ شنکر نے نہ ہاتھ جوڑے نہ گڑ گڑایا۔ اسی ڈھیٹ پن سے بولا ـــ اب میں اس جنم میں تو میں نہیں دے سکتا مہاراج۔ آپ اگلے جنم میں مجھ سے لے لینا۔

شنکر کا یہ انداز دیکھ کر پنڈت جی غصّہ میں آگ بگولا ہو گئے۔ ڈپٹ کر بولے ـــ میں تو اسی جنم میں لے کر رہوں گا۔ اور سود تو میں ابھی وصول کروں گا۔

شنکر بولا ـــ میرے پاس ہے ہی کیا مہاراج جو آپ لے لیں گے؟ ایک بیل ہے سو لے لو۔ میرے یہاں تو کھڑا کھڑا وہ بھوسا ہی کھاتا ہے۔ آپ لے جاؤ تو آپ کے گھر بھی کھالے گا۔

پنڈت جی نے کہا ـــ مجھے بیل بچھیا لے کر کیا کرنا ہے؟

شنکر کے پاس کچھ تھا بھی نہیں اور اسے دینا بھی نہیں تھا۔ صاف کہہ دیا ـــ اور کیا دوں مہاراج؟ میرے پاس اور ہے ہی کیا؟ ہم غریب آدمی ہیں۔ روز مزدوری کرتے ہیں اور روز پیٹ بھرتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسہ کوڑی کہاں رکھّا ہے جو آپ کو دوں۔

پنڈت جی بولے ـــ پیسہ کوڑی نہیں ہے تو تو، خود تو ہے۔ یا تو تو میرے روپے دے نہیں تو آج سے تجھ پر میرا حق ہوا۔

پنڈت جی کی چالاکی شنکر کی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ہنسنے لگا بولا! میرا کیا کروگے مہاراج؟

پنڈت جی بولے ـــ سود کے عوض آج سے تو، میرے کھیتوں میں مزدوری کرے گا۔ اب تو دوسری جگہ کام کرنے نہیں جا سکتا۔

شنکر نے پوچھا — سود کے بدلے میں آپ کے کھیتوں میں کام کروں گا۔ پھر میں کھاؤں گا کیا؟
پنڈت جی بولے — آدھا سیر جَو اور تجھے دیا کروں گا۔ پیٹ بھرنے کے لیے اتنا کافی ہے۔
شنکر نے پوچھا — مجھے تو آپ جو دے دیں گے لیکن میرے گھر والے کیا کھائیں گے؟
پنڈت جی غصّہ سے بولے — تیری بیوی اور بیٹا کیا ہاتھ پیر تڑوا کر بیٹھے ہیں؟ وہ خود مزدوری کریں گے اور کھائیں گے۔

شنکر اب سچ مچ سوچ میں پڑ گیا۔ پنڈت جی نے یہ کیسا داؤں چلا ہے۔ وہ تو اب پھنس گیا۔ گھبرا کر بولا — مہاراج یہ تو زندگی بھر کی غلامی ہوئی۔ میں تو برباد ہو جاؤں گا۔ میرے گھر والے برباد ہو جائیں گے۔

شنکر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن اس کا اثر پنڈت جی پر کیا ہونا تھا۔ وہ تو دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے۔ بولے — اب تو چاہے غلامی سمجھ چاہے مزدوری، میں تو اپنے روپے وصول کیے بغیر تجھے چھوڑوں گا نہیں۔

ایک بار پھر شنکر نے خوشامد کی — مہاراج، ایسا تو مت کیجئے۔ یہ تو سراسر ظلم ہے۔
پنڈت جی بولے — اپنا روپیہ مانگنا ظلم کیسے ہو گیا؟ تو چاہے تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو بلا لے۔ چاہے پنچایت کرا لے۔ کوئی بھی کہہ دے کہ یہ ظلم ہے تو چور کی سزا وہ میری۔

شنکر سمجھ گیا کہ اب نکلنے کا کوئی بھی راستہ نہیں ہے۔ وہ جانتا تھا کہ گاؤں کے لوگ پنڈت جی کی طرف سے بولیں گے۔ پنچایت بھی پنڈت جی کے حق میں ہی فیصلہ دے گی۔ کوئی بھی اس کی بات نہیں سنے گا۔ غریب کی بات سنتا ہی کون ہے۔
شنکر کا بیل تو گھر میں ہی بندھا رہ گیا اور شنکر خود گونگے بیل کی طرح

پنڈت جی کے پیچھے چلا آیا۔ اس کی بیوی تڑپتی رہی۔ اس کا بیٹا روتا رہا لیکن کسی کو بھی ترس نہیں آیا۔ کوئی بھی پنڈت جی کے اس ظلم کے خلاف نہیں بولا اور غریب شنکر سوا سیر گیہوں کے بدلے زندگی بھر کے لیے پنڈت جی کا غلام بن گیا۔

پنڈت جی صبح ہونے سے پہلے ہی شنکر کو کھیت میں بھیج دیتے۔ پھر چاہے گرمی ہو یا سردی چاہے دھوپ ہو چاہے برسات، شنکر کھیت ہی میں کام کرتا رہتا۔ کھیت سے فرصت ملتی تو گھر میں کام کا ڈھیر لگا رہتا۔ بیل بھی ہل سے کھل کر رات بھر آرام سے جگالی کرتے ہیں لیکن آرام کی دو گھڑی بھی شنکر کو نصیب نہیں تھی۔

کھیت جاتے ہوئے کبھی شنکر کو اپنا بیٹا دکھائی دیتا۔ وہ اپنے سے دگنا بوجھ سر پر اٹھائے ہوتا۔ شنکر کا دل چاہتا کہ بیٹے کی مدد کرے لیکن ہاتھ تو پنڈت جی کے غلام تھے۔ وہ دوسرے کا کام نہیں کر سکتے تھے۔

کبھی بیوی ایسے ایسے کام کرتی نظر آئی کہ اس کو دیکھ کر شنکر کا دل تڑپ اٹھتا۔ لیکن غلام کا نہ سکھ اپنا ہے نہ دکھ اپنا ہے۔ رونا اپنا ہے نہ ہنسنا۔ جو کچھ ہے سب مالک کا ہے۔ اس کو تو صرف بے جان پتلے کی طرح کام کرنا ہوتا ہے۔

اسی طرح مرتے کھپتے شنکر نے پنڈت جی کے یہاں بیس سال کاٹ دیئے۔ جوان شنکر بوڑھا ہو گیا۔ شنکر کا بیٹا جوان ہو گیا۔ لیکن شنکر کی تقدیر میں جوان بیٹے کا سُکھ دیکھنا نہیں تھا۔ بوڑھا ہونے کے باوجود اُسے رات دن پنڈت کے یہاں کام میں لگا رہنا پڑتا۔

آخر کار ایک دن ہل چلاتے چلاتے شنکر اوندھے منہ گر پڑا اور ایسا گرا پھر کبھی اٹھا ہی نہیں۔ خبر ملتے ہی بیوی اور بیٹا دوڑے دوڑے آئے۔ بیوی سینہ پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ بیٹا باپ کے سوکھے بدن سے لپٹ گیا۔
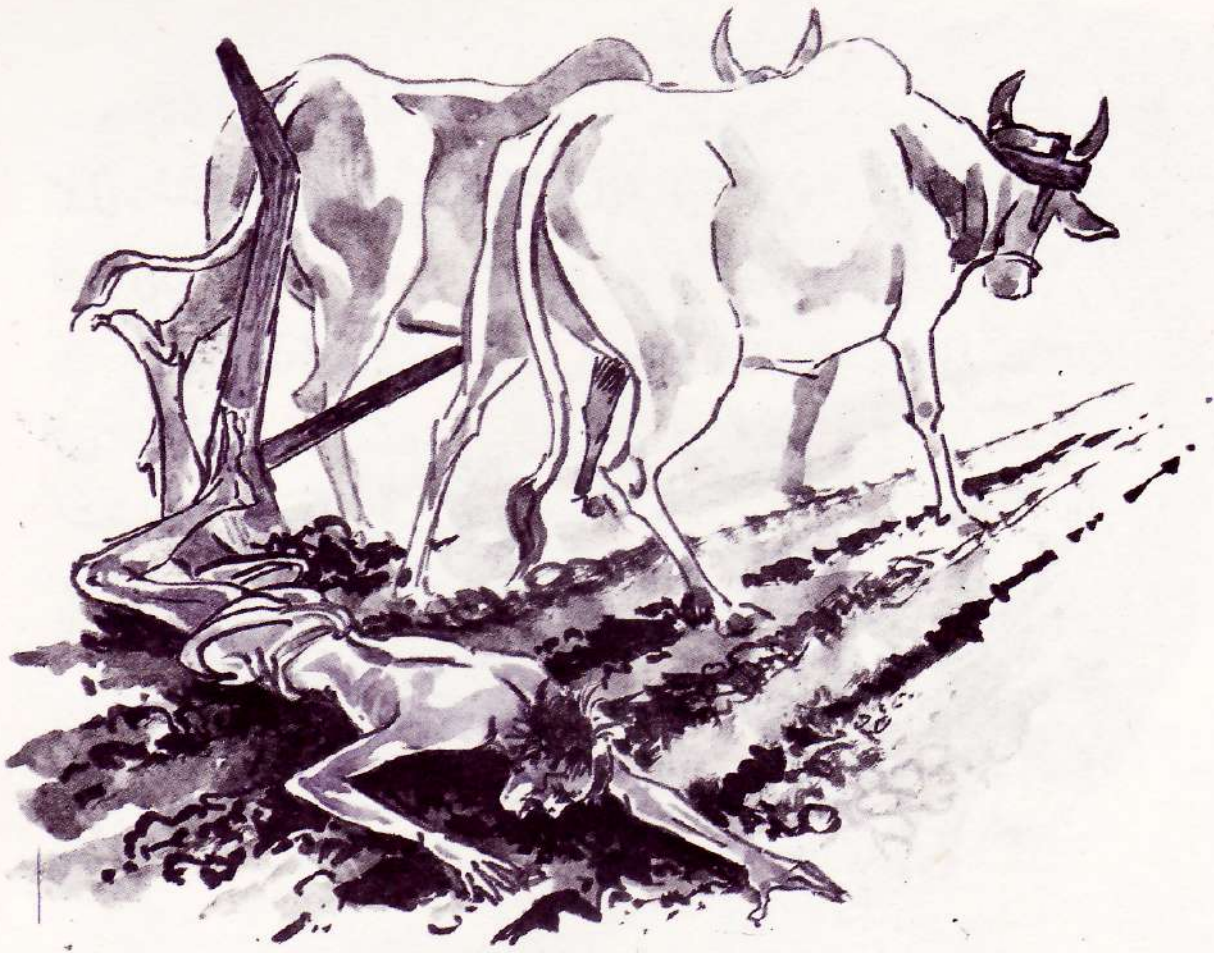
پنڈت جی آکر اپنی عقلمندی کا ثبوت دینے لگے۔ بولے ــــ شنکر بڑا خوش قسمت تھا۔ دیکھو، اس نے کوئی دکھ بیماری نہیں اٹھائی۔ کوئی زخم وغیرہ بھی نہیں رہا۔ کام کرتے کرتے ایک دم ختم ہوگیا۔ سمجھو، بھگوان نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اب اس کے لیے رونا دھونا کیا۔

پنڈت جی نے بیٹے کو پکڑ کر اٹھایا۔ پھر اسے سمجھاتے ہوئے بولے ـــــ باپ کا قرض تو اب بیٹا چکائے گا۔ یہی تو رسم ہے، یہی قاعدہ ہے۔ اسی لیے آدمی بیٹے کے لیے ترستا ہے۔ پھر پنڈت جی بیٹے کو گھسیٹ کر کھیت میں لے گئے۔ ابھی بیٹے کے آنسو بھی نہیں سوکھے تھے کہ انھوں نے ہل کی موٹھ اس کے ہاتھ میں تھمادی۔

شنکر مر گیا۔ شنکر کی کہانی ختم ہوئی۔ لیکن سوا سیر گیہوں کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ شنکر کی جگہ اب اس کے بیٹے کشنو کی کہانی شروع ہوئی۔ اب یہ کہانی چلے گی اور چلتی رہے گی، بالکل اسی طرح جس طرح شنکر کی کہانی چلی تھی۔

اب پنڈت جی کی بہی میں شنکر کی جگہ کشنو کا نام ہوگا۔ پنڈت جی کے کھیتوں میں سوا سیر گیہوں کے بدلے اب کشنو ہل چلائے گا۔ پنڈت جی کی غلامی کرتے ہوئے کشنو اپنی ساری عمر گزار دے گا۔ پھر جب کشنو مرے گا تو اس کے بیٹے کی کہانی چلے گی۔

جب تک پنڈت جی جیسے مکّار اور بے ایمان لوگ رہیں گے اور شنکر جیسے غریب اور بے سہارا کسان ہوں گے تب تک سوا سیر گیہوں کے قرض کی کہانی چلتی رہے گی۔ بیٹے در بیٹے چلے گی۔ پیڑھی در پیڑھی چلے گی —

Printed at Shivam Offset Press, A-12/1 Naraina Indl. Area, Phase-I, New Delhi-110 028

ISBN 81-237-1223-5   قیمت: 11.00
نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا